Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

# سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل گوئی

**عبدالرحیم**
لیکچرار گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور*
**رانا حسین ناہر خاں**
**اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور
**قربان علی**
***لیکچرار گورنمنٹ اسلامیہ گریجوایٹ کالج سول لائنز لاہور

**ABSTRACT:**
Syed Muhammed Wajih-us-Seema Irfani is primarily a Poet, Prose writer, Journalist, Translator, Broadcaster and religious scholar. His famous "Ghazal" Sung by late Mehdi Hassan "Guncha-e-Shoque Laga hay Khilnay" has classical elements in it. He has authored Six books of poetry, most of which are ghazals, along with other genres of poetry. His ghazal has a classical composition. He has tried to express his creative experiences in a unique way under the influence of his internal and external elements. This article seeks to clarify the further possibilities of these elements.
**Keywords:** Syed Muhammad Wajih us Seema Irfani, Classicism, Optimism, Interrogative Style, Brevity & Overtones, Tragicalness, Lyrical.

**کلیدی الفاظ:** سید محمد وجیہہ السیما عرفانی، کلاسکیت، رجائیت پسندی، استفہامیہ انداز، ایجاز وایمائیت، سوز و گداز، تغزل

شاعری دلی جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ اگر ان جذبات کو بیان کرنے کا انداز انوکھا، الگ تھلگ اور عام فہم ہو تو قارئین نہ صرف ایسی شاعری کو سراہتے ہیں بل کہ وہ فرد شہرت عام اور بقائے دوام کی منزل بھی پالیتا ہے۔ سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل کلاسیکی رچاؤ کی حامل ہے جس کی بنیادی وجہ وہ زمانہ ہے جس میں انھوں نے آنکھ کھولی۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں انھوں نے ایک ایسے علمی و ادبی گھرانے میں پرورش پائی جہاں عربی اور فارسی اہتمام کے ساتھ بچوں کو پڑھائی جاتی تھی۔ اُن کے دادا سید فضل دین شاہ نہ صرف شاعر تھے بل کہ اُن کی سہ حرفیاں پوٹھوہار کے نواحی علاقوں میں ذوق و شوق سے سنی اور سر دھنی جاتی تھیں۔ خاندانی علم و فضل کا یہ حال تھا کہ جب بھی وراثت تقسیم ہوتی تو اس میں مال و دولت کے علاوہ نمایاں حصہ قرآن و حدیث، فقہ، تفسیر، فلسفہ، صرف و نحو اور علوم جدید و قدیم پر مشتمل کتابوں کا بھی ہوتا تھا۔

وہ خود بھی عربی، فارسی، انگریزی، اُردو اور دیگر مقامی زبانوں کے ادب پر دست رس رکھتے تھے۔ انھیں قرآن مجید، مجموعاتِ احادیث کے علاوہ دورِ جاہلیت کے شعراء الحریری البصری، امراؤ القیس، مزید برآں صحابہ کرام کی شاعری بالخصوص حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ، حضرت سعدی، مولانا جامی، حافظ شیرازی اور علامہ اقبال تقریباً سب کا کلام ازبر تھا۔ اس لیے سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کے شعری اثاثے پر کلاسیکی ادب کا اثر ہونا بالکل ایک فطری بات تھی۔ کسی بھی فن کار کی تخلیق کو اس کے ماحول سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس کا شعور صدیوں کی روایت سے خوشہ چینی کرتے ہوئے اپنی الگ راہیں دریافت کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اُن کا شعری سرمایہ کلاسیکی اور جدید اثرات سے مزین ہے اور ایک ایسے سنگم کی صورت اختیار کر جاتا ہے جو ماضی کے ساتھ مستقبل سے بھی منسلک ہوتا ہے اور حال کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

غزل شعری اصناف میں سب سے توانا صنفِ سخن ہے کیوں کہ اس نے وقت کے بدلتے تقاضوں کے ساتھ تبدیلی کو نہ صرف اپنایا ہے بل کہ ہر دور کے مسائل کو اپنے مضامین میں جگہ دے کر اسے وسعت سے بھی ہم کنار کیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد بیان کرتے ہیں:

> ”تمام اصنافِ سخن میں غزل ہی وُہ واحد صنف ہے جس نے انقلاباتِ مسلسل کی زد میں رہنے کے باوجود اپنے تشخص کو برقرار رکھا ہے۔ سخت سے سخت ابتلاؤں اور مشکل سے مشکل امتحانوں میں یہ کام یاب رہی ہے۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ غزل جن جن راستوں سے گزری ہے وہاں سے اس نے صرف وہی پُھول چنے ہیں جو اس کے معیارات پر پورے اُترے، جھاڑ جھنکار کو اس نے دامن گیر نہیں ہونے دیا۔“ [۱]

اگرچہ شاعر خود شکست و ریخت سے دوچار ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود زندگی اور اس کی قدروں سے ہرگز مایوس نہیں ہوتا بل کہ اپنے پڑھنے والوں کو زندگی کی مشکلات میں جواں مردوں کی طرح جینے کا ہنر بھی سکھاتا ہے۔ زندگی کی مایوسیوں اور مشکلات میں بھی ثابت قدم رہنا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا رجائیت پسندی کہلاتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر فخر الحق نوری ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔

> ”نظم و نثر میں مایوسی کا منفی رویہ اختیار کرنے کی بجائے اُمید کا مثبت رویہ اختیار کرنا، زندگی کا روشن پہلو دیکھنا، اچھے خیالات پیش کرنا اور آرزو اور امید کا دامن تھامے رکھنا۔۔۔ مستقبل کے بارے میں پُر اُمید نقطہ نظر رکھنا رجائیت کہلاتا ہے اور ایسے شخص کو جس کے افکار میں رجائیت ہو، رجائی کہلاتا ہے۔“ [۲]

رجائیت ہی ایسا جذبہ ہے جو تلخ و ترش حالات میں بھی جینے کا حوصلہ دیتا ہے اور مایوسی کی اندھیری راہوں سے امید کی منزل پر لاتا ہے۔ اُمید سے یقین کی طرف گام زن ہونا نہ صرف آسان ہو جاتا ہے بل کہ خواب عملی تعبیر کی صورت سامنے آنے لگتے ہیں۔ کسی بھی قوم میں یہ جذبہ جہاں زندگی کی نئی رو دوڑانے کا باعث بنتا ہے وہاں آنے والی نسلوں کو اُمید، یقین اور تاب ناک مستقبل بھی عطا کرتا ہے۔ سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل میں بھی رجائی عناصر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ زندگی سے راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے مشکلات میں سینہ سپر ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

؎ وسعتِ بحر فنا ہو جیسے
قطرہ دریا کی بقا ہو جیسے ۳

؎ حوصلہ دیکھو رمِ عشق کا، عرفانی جاں
اک جہاں ساتھ لیئے حسن کی نگری نکل آئے ۴

؎ جس جس جگہ جلے تھے تری یاد کے چراغ
اے دوست ہم تو جب بھی گئے سر کے بل گئے ۵

؎ عرفانی خوش سخن سے مل لو
پھر جانِ سخن کی بات چھیڑو ۶

شاعر اپنی داخلی کیفیات کو خارجی عناصر سے ہم آہنگ کرتے ہوئے ایسی شاعری تخلیق کرتا ہے جو قارئین کو خود سے ہم کلام ہونے کی دعوت دیتی ہے۔ ایسا کلام جو انسان کو اپنے روبہ رو ہونے کا حوصلہ فراہم کرے وُہ نہ صرف حقیقی اقدار کا عکاس بل کہ عوام کے دلی جذبوں کا امین قرار پاتا ہے۔ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرانسیسی نقاد پیئر روردی (Pierre Reverdy) کہتے ہیں:

"شاعر ایک ایسا غواص ہے جو اپنی روح کی گہرائیوں میں اس لیے غوطہ مارتا ہے کہ وہاں سے حقیقت کے بیش بہا موتی نکال کر لائے۔" ۷

روز مرہ زندگی میں سوال کبھی اپنی لاعلمی کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے اور کبھی خود سے سوال اپنے احتساب اور محاسبے کی راہ ہموار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ قاری کو اپنی سوچ و بچار کے نتیجے میں شامل کرنے کے لیے بھی کہیں کہیں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سید عرفانی کی شاعری میں بھی اُسی استفسار کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جو شعری قوسِ قزح کو ہر لحظہ خوش رنگ کرنے کا باعث ہے۔

؎ بندوں سے ربط ہو نہ خدا کے لئے خلوص
ایسے میں بہترین مسلماں کسے کہیں؟ ۸

؎ دیکھ ڈالی ہے محفل امکاں
وہ مرا اعتبارِ دل ہے کہاں؟ ۹

؎ ہوا ہے، دھوپ ہے، پانی ہے اور مٹی ہے
ہم آپ اپنے عوامل سے کیسے برتے ہیں؟ ۱۰

؎ کہاں سے، کیسے، کہاں آ گئے ہو عرفانیؔ؟
چلو، طلب میں کسی عشق کی، نکلتے ہیں ۱۱

غزل کے دائرے میں صرف حسن و عشق، ہجر و وصال، بے اعتنائی و بے وفائی اور اُمید و نارسائی کے موضوعات ہی شامل نہیں بل کہ اس میں دیگر متنوع مضامین مذہبی، معاشرتی، تہذیبی، اخلاقی، قومی اور ملّی نے جگہ پا کر اس کی جاذبیت میں اضافہ کیا ہے۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر وقار احمد رضوی بیان کرتے ہیں کہ:

"غزل میں صرف حسن و عشق کے جذبات ہی کی ترجمانی نہیں ہونا چاہیے بل کہ اس میں زندگی کے متنوع تجربات اور قومی و وطنی خیالات کو بھی شامل کرنا چاہیے۔" ۱۲

شاعر اپنے ذوق اور تخیل کی بنیاد پر ایسے منطقے دریافت کرتا ہے جس کا نظارہ جاں بخش اور مسرت آمیز ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ دعوتِ نظارہ دینے کے لیے خطابیہ و استدلالی انداز اختیار کرتا ہے۔ یہ استفہامی سطح سے دو چار قدم آگے بڑھ کر اپنی ریاضت کے نتائج پیش کرنے کا نام ہے۔ اس موضوع کے اشعار اُن کے شعری سرمائے میں جا بجا دکھائی دیتے ہیں جس کا ہر انداز پہلے سے زیادہ موثر اور چونکا دینے والا ہے۔

؎ اشکِ سحر، نگاہِ رسا، سینۂ یقیں
محفل جمی ہے، آ کے یہ محفل سجایئے! ۱۳

؎ اپنے عرفانی گم گشتہ کے پاس آ، کہ یہ شخص
شہرِ پُرکار میں توقیرِ وفا ہے اے دوست! ۱۴

؎ پھر بہاروں سے کہو، آئیں، سمٹ کر ٹھہریں
اب خزاں کوئی نہ ہو، میرے گلستاں کے قریب ۱۵

؎ اے شوق مختصر ہو بیانِ شبِ وصال
ان کے یہاں سے جس کا اعادہ ہوا تو ہے ۱۶

سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے چیزوں اور واقعات کو جس انداز میں دیکھا ہے، انھیں اُسی صورت میں بیان کر دیا ہے۔ انھوں نے الفاظ و تراکیب کا غازہ بنا کر اصل صورت کو بے کیف اور بد رنگ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ زندگی کے بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں فطری انداز میں پیش کر دینا اُن کی اصل خوب

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

صورتی کو بر قرار رکھنے کے مترادف خیال کیا جاتا ہے۔ انسانی زندگی اور تخلیقات میں ایسے رویے کو خلوص و صداقت سے منسوب کیا جاتا ہے جس کے نمونے اُن کی شاعری کی جان بالخصوص اُن کی غزل کی پہچان ہیں۔

؎ اب تو محسوس وہ ہوتے ہیں، دل و جاں کے قریب
شاید آ پہنچے ہیں ہم منزلِ جاناں کے قریب ۱۷

؎ قصے محبتوں کے ابھی ناتمام ہیں
اک حرف درمیاں ہے کہ ناگفتنی سا ہے ۱۸

؎ نظمِ عالم تغیرات میں ہے
کچھ اشارے ہیں ابروئے خم سے ۱۹

؎ عرفانی خوش نگاہ کو دیکھو
اور دیکھو اُسے یار کی نظر سے ۲۰

ایجاز و ایمائیت کو غزل کی خوبی گردانا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ نثر نگاروں کے برعکس شعرا ایجاز و ایمائیت کی خوبی سے متصف ہوتے ہیں۔ وُہ ایسے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں جو متنوع مفاہیم کے حامل ہوتے ہیں۔ اُن کی غزل میں یہ خوبی جہاں تبحر علمی کی غماز ہے وہاں اُن کی قادر الکلامی کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہے۔

؎ کوئی فریاد ہے نہ جنبشِ لب
یادِ یاراں! خموشیوں کا سبب؟ ۲۱

؎ رُوداد تمام زندگی کی
سُن عشق کے حرفِ مختصر سے ۲۲

؎ آؤ ہنس لیں، بولیں مل کے
کھیلیں چار کھلونے دل کے ۲۳

؎ خوشبو کا رواج کس قدر ہے
تا عرش ہے، کتنا مختصر ہے ۲۴

شاعر اپنے محبوب کی محبت میں گرفتار ہو کر مرغِ بسمل اور ماہی بے آب کی طرح جہاں تڑپتا، پھڑکتا ہے وہاں وہ عجز و نیاز اور خود سپردگی کی کیفیت سے بھی دوچار ہوتا ہے۔ وہ اپنی درخواست محبوب کی بارگاہ میں پیش کرنے کی جستجو رکھتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اُسے رسائی میسر نہیں ہوتی اور وہ اُس کے دروازے کا دربان بن کر ایک صبح ایک ڈھیری راکھ کی صورت اِس مادی دُنیا سے اپنا دامن چُھڑا لیتا ہے۔ اس طرح محبوب ناز اور عاشق نیاز کے پیکر کی صورت داستانِ حسن و عشق کو دوامیت بخشتے ہیں۔ اُن کی غزل میں نیاز کے ساتھ ناز کا عنصر بھی کھل کر سامنے آتا ہے۔ کہیں کہیں ناز و نیاز کے مضامین یوں گھل مل گئے ہیں کہ اُن کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا مشکل ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید طارق حسین زیدی کا بیان ہے کہ:

''غزل میں کہیں کہیں یہ ناز اور شوخی زیادہ تیکھی اور شریر ہو کر سامنے آتی ہے۔'' ۲۵

اُن کی غزل میں ناز کے پہلو سے مزین اشعار حسبِ ذیل ہیں:

؎ کون آیا ہے، درِ حُسن پہ حیراں، یارو
عشق، ہنگامہ فردا پہ ہے نازاں، یارو ۲۶

؎ کہتے ہیں ہم سے خفا ہوں گے، تو ہوں
یوں وہ مائل بہ وفا ہوں گے، تو ہوں ۲۷

؎ پھر مجھے شوق کی رسموں کا تماشا نہ بنا
میرے جاناں، مجھے بے کار تمنا نہ بنا ۲۸

؎ اُن کے لبوں پر میری بات
ایسے بدلتے ہیں دن رات ۲۹

اُن کی غزل میں ناز کے ساتھ نیاز کا پہلو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ناز محبوب سے جب کہ نیاز عاشق سے منسوب ہونے والے جذبات ہیں لیکن اُن کی غزل میں ناز اور نیاز دونوں کی جھلک عاشق کے تناظر میں دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنی غزل میں جہاں محبوب کے ناز و انداز کی داد دی ہے وہاں انھوں نے اپنی شناخت سے ہاتھ نہیں دھویا۔ نیاز و ناز سے متعلق اشعار درج کیے جاتے ہیں:

؎ تسلیم کہو، سلام لکھ دو
گزریں وہ جدھر جدھر سے ۳۰

؎ ستارے چاند بنیں، روشنی نگاہ بنیں
چلو کہ یار کی آمد ہے، گردِ راہ بنیں ۳۱

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

؎ عرفانی دیارِ محبت کو یاد رکھ
وہ تیرا، جس کو ہر کوئی اپنا نہ کر سکے ۳۲

؎ میں اب ہوا ہوں اپنی نگاہوں میں محترم
اب زندگی عزیز تری نسبتوں سے ہے ۳۳

نازو نیاز کی کیفیت جب اسی شاہ راہ پر مزید گام زن ہوتی ہے تو حرفِ تمنا کی دہلیز کو چھو لیتی ہے۔ حرفِ تمنا، وصال کی لذت سے آشنا ہونے کا نام ہے۔ اگرچہ مثلثِ عشق کے تین زاویے محبوب، رقیب اور عاشق قرار پاتے ہیں لیکن اس میں وصال سے آشنائی جسمانی اختلاط سے ماورا ہوتی ہے۔ عاشق محبوب کو مخاطب کر کے اس کے شب و روز میں اپنی حُسنِ طلب کو کچھ یوں پیش کرتا دکھائی دیتا ہے:

؎ اے دوست غور کر، کہ بہ ہر گام زندگی
کس بے بسی سے، تجھ کو پکارا ہے ان دنوں ۳۴

؎ یہی قرینہ رازو نیاز ہے، یاراں
کہ آئے، آ ہی گئے ہیں ہمارے محرم لوگ ۳۵

؎ بڑے کریم کے ہاں سے سلام آیا ہے
بڑا کرم ہے، مجھ ایسے کے نام آیا ہے ۳۶

جادۂ عشق کے راہ رو کو جہاں نشیب و فراز سے واسطہ پڑتا ہے وہاں زندگی کہیں رک بھی جاتی ہے۔ کہیں عاشق کو یاس و نا اُمیدی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو کہیں ہجر و فراق اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اُمید و یاس اور ہجر و فراق کی کیفیات نہ صرف سوز بل کہ گداز کی لذت سے آشنا کروانے کا باعث بنتی ہیں۔ سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل میں یہی لذت اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود نظر آتی ہے۔

؎ پھر کوئی نامہ و پیام چلے
شاید اب کے وہ آئے، آ جائے ۳۷

؎ کیا ہوئے جلوہ ہائے کیف و جمال
آہ و نالہ میں وہ ہجومِ طرب؟ ۳۸

؎ ابھی عشق بازی کی رسمیں نہ چھیڑو، ابھی عشقِ جاناں کی قسمیں اُٹھاؤ
بہت جاں گسل ہیں محبت کی راہیں، محبت کی راہوں میں بڑھتے ہی جاؤ ۳۹

؎ جنبشِ شعلہ اسرار کہاں لے جاؤں؟
سوز پنہاں کے یہ آثار کہاں لے جاؤں؟ ۴۰

غزل دیگر موضوعات ہجر و وصال، سوز و گداز، رمز و ایمائیت اور نازو نیاز کے علاوہ محبوب کے حسن پر بھی مبنی ہوتی ہے۔ بعض شعرا کے ہاں حسنِ محبوب جنسی تلذذ پسندی کی طرف لے جانے کا باعث بن جاتا ہے لیکن سید عرفانی کے ہاں حسن پرستی کا صحت مندانہ رجحان موجود ہے۔ یہ قاری کو تلذذ پسندی کی طرف نہیں بل کہ حسنِ مطلق کی طرف ملتفت کرنے کا نام ہے۔

؎ وہ پھول یوں نہیں ہے، کہ خوشبو تمام ہے
وہ شمع بھی نہیں ہے کہ کل روشنی سا ہے ۴۱

؎ مزاجِ دوست سے ہم آشنا ہوئے نہ ہوئے
یہ کیا ہوا تھا کہ بس تجھ کو اپنا جانے تھے ۴۲

؎ رُوئے نگار دیکھا تو بس اس کے ہو رہے
پھر حسبِ رُخ حبیب کے، رُوئے نظر کیا ۴۳

؎ کمالِ حُسن کی مخبر ہے میرے عشق کی لَو
بڑے جمال کا روشن کیا ہوا ہوں میں ۴۴

تغزل غزل کے مخصوص مزاج کا نام ہے جس سے اس میں لطف و ادا کے ساتھ حسن و تخیل کی خوبی بھی پروان چڑھتی ہے۔ غزل کی یہی خوبی ہے جو آج تک اس کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اُردو کے قدیم و جدید سبھی شعرا کے ہاں تغزل کی یہ کیفیت ارتقائی منازل طے کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کسی بھی شاعر کی غزل کو یہی خوبی بامِ عروج پر پہنچانے کا باعث بنتی ہے۔ تغزل کی وضاحت ابو الاعجاز حفیظ صدیقی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''شعر کے عام اوصاف کے علاوہ غزل کے شعر میں بعض خاص عناصر بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً نفاست و نزاکت، نکتہ سنجی، رمز و ایما، تعمیم، گداز، بے ساختگی اور جذبے کا سوز و گداز۔۔۔ ان عناصر کے مجموعے کو تغزل کہا جاتا ہے۔'' ۴۵

سید عرفانی کی غزل میں تغزل کا عنصر نہ صرف اُسے دل کش بل کہ دل آویز بنانے کا باعث بھی بنتا ہے۔

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

؎ غنچہ شوق لگا ہے کھلنے
پھر تجھے یاد کیا ہے دل نے ۴۶

؎ سوچتے تھے تو کہیں دُور، بہت دُور تھے وہ
دیکھتے ہیں تو وہ یوں ہیں کہ رگِ جاں کے قریب ۴۷

؎ سارا عالم ہے گوش بر آواز
تو نے کچھ مجھ سے کہہ دیا ہو گا ۴۸

؎ گفتگو یار سے، ساری بے حرف
عشق بھی رسمِ خُدا ہو جیسے ۴۹

انھوں نے غزل میں اضطراب، تڑپ اور سوز و گداز کو اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری بھی اُس اضطراب، تڑپ اور سوز و گداز کی لے محسوس کرنے لگتا ہے۔ اُن کی غزل کے اسلوب کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کہتے ہیں:

"اُن کے ہاں موضوعات کا تنوع ہے اور تجربات کی تینوں سطحیں ذاتی (Personal)، علاقائی (Regional) اور آفاقی (Universal) پائی جاتی ہیں۔ انھوں نے اپنے اندر کی دُنیا میں بھی جھانکا ہے اور بعض ایسے تجربات کا بیان کیا ہے جن کا تعلق خالص اُن کی ذات سے ہے۔ اُن کی غزل میں وہ مضامین و مسائل بھی قلم و بند ہوئے جن کا تعلق وطنِ عزیز کے سماج اور معاشرت سے ہے۔ یوں انھوں نے اپنی زمین اور معاشرت سے جڑے ہوئے مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ ماحول کو درپیش مسائل، اپنے لوگوں کے خوف، اندیشے، قومی اُمنگیں اور آرزوئیں، ماحول میں حُسن اور خیر کے رویوں کی تلاش، بچی کھچی مگر مہنگی قدروں کا تحفظ، حسن و جمال کی واردات، انسانی زندگی میں نیکی، جمال اور خوبصورتی کی تلاش یہ سبھی مضامین و موضوعات کسی نہ کسی حوالے سے اُن کی غزل میں موجود ہیں۔" ۵۰

غزل کا جائزہ لیتے ہوئے فکر کے ساتھ فن کے پہلوؤں کو یک سر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ کوئی بات تب ہی اہمیت اختیار کرتی ہے جب اُسے بیان کرنے کا انداز بھی اسی موضوع کی مناسبت سے لگاؤ رکھتا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اعلیٰ و ارفع خیالات بھی الفاظ کے ڈھیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل میں فکر کے ساتھ فنی پہلو بھی موجود ہیں جس نے اُن کی غزل کو خوب صورتی اور دل کشی سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اُن کی غزل کو پڑھتے ہوئے جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں حیثیت کا حامل دکھائی دیتا ہے وُہ کلام کی سادگی ہے۔ سادگی اور تصنع میں ایک باریک سی لکیر حائل ہے۔ یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ کب کلام کی سادگی تصنع کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر انور جمال کہتے ہیں:

"سادگی فن پارے کو فطرت کے قریب لاتی ہے جب کہ تصنع اور ملمع کاری فن پارے کو فطرت سے دُور کر دیتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ استادی اور علمی تبحّر کا رعب سادگی کے خلاف ہے۔ سادگی زیادہ پیچ و خم برداشت نہیں کر سکتی۔ سادگی میں مقولہ (Quotation) بننے کی بڑی صلاحیت ہوتی ہے۔" ۵۱

سید محمد وجیہہ السیما عرفانی بنیادی طور پر صحافی تھے اس لیے صحافت میں ابلاغ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزل میں بیان کی سادگی کے نمونے جا بہ جا دکھائی دیتے ہیں۔

؎ اُن کے لبوں پر میری بات
ایسے بدلتے ہیں حالات ۵۲

؎ رُوبرو اُن کے نگاہوں کا ادب
تارِ لرزاں میں صدا ہو جیسے ۵۳

؎ اے رنگین بہاروں دوڑو!
کلیاں پھول ہوئی ہیں کِھل کے ۵۴

تکرارِ لفظی شاعری میں اس کی موسیقیت کو بڑھانے کا باعث ہوتی ہے لیکن کہیں کہیں یہ عیب کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر ابو الاعجاز حفیظ صدیقی رقم طراز ہیں کہ:

"تکرارِ الفاظ ہر جگہ حسن کی ضمانت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات یہ حسن کلام کا موجب ہوتی ہے اور بعض اوقات اس سے کلام میں عیب بھی پیدا ہو جاتا ہے۔" ۵۵

سید عرفانی نے اپنی غزل میں الفاظ کے تکرار سے نہ صرف حُسن بل کہ حُسنِ ادا بھی پیدا کر دی ہے جس کا تاثر پڑھنے والے کے دل و دماغ پر دیر تک رہتا ہے۔ مزید بر آں وُہ اُسی کیفیت میں مبتلا رہ کر اس کی معنوی وسعتوں سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔

؎ کرن کرن ہے کسی آفتابِ زندہ کی
کسی نگہ کا تقاضا، کسی نظر کی طلب ۵۶

؎ یہ قدم قدم پہ خوشبو، یہ روش روش کی رونق
یہی دم بہ دم کی نعمت، یہ نظام لے کے آئے ۵۷

؎ گہر گہر کرم و کیف کی گواہی دی
کلی کلی کو با اندازِ غم ہنسایا تھا ۵۸

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

محولہ اشعار میں کرن، قدم، روش، دم، گہر اور کلی کے الفاظ کی تکرار نے نہ صرف غزل کے زورِ بیان میں اضافہ کیا ہے بل کہ کیفیتِ موسیقی سے بھی آشنا کیا ہے۔ مزید بر آں جہاں یہ پڑھنے میں اچھی لگتی ہے وہاں دل کے تاروں کو بھی چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

صنعتِ تضاد میں شاعر ایسے الفاظ اپنے کلام میں لاتا ہے جو معنی میں ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں جن کا مقصد اپنے موضوع کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں:

"کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں اُسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں مثلاً دن اور رات، صبح اور شام، اندھیرا اور اُجالا، نیکی اور بدی وغیرہ۔"

۵۹

سید عرفانی نے صنعتِ تضاد کو نہ صرف برتا ہے بل کہ اس سے اپنی غزل کی معنویت میں تنوع پیدا بھی کیا ہے۔

؎ تم دُور ہوتے ہوتے قریب آ گئے تھے دوست
اور آئے تم، تو ہم تھے کہ پہلو بدل گئے ۶۰

؎ اصل میں تیری ذات سے سارے قرینے آ گئے
وصل و فراق، ذوق و شوق، بے طلب اور با طلب ۶۱

صنعتِ مراعات النظیر کے ذریعے شاعر کلام میں ایسے الفاظ لاتا ہے جن کے معنوں میں ایک خاص مناسبت اور تعلق پایا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت "منتخب ادبی اصطلاحات" میں کچھ یوں ملتی ہے:

"اس کو صنعتِ تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں۔ ایسے دو یا دو سے زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کرنا جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں اور یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو۔" ۶۲

سید محمد وجیہہ السیما عرفانی کی غزل میں صنعت مراعات النظیر سے متعلق کئی اشعار دکھائی دیتے ہیں جن سے معانی کی تفہیم کے ساتھ لفظوں کی پہلو داری بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

؎ ہم ایسے لوگ محبت کی راہ چلتے ہیں
وُہ نُور، جس میں بہت چاند تارے ڈھلتے ہیں ۶۳

؎ ہے کس افق ترے چلنے کی لَے پہ رقص کا حکم
مُدھر سُروں میں ہے فن ساز، شوق کا سرگم ۶۴

؎ تیری یادیں، تیری باتیں، تیرا نام اور تیرا ذکر
جان و دل میں ہیں، میری روح و طبیعت کی طرح ۶۵

سید عرفانی کی غزل میں صنعتِ قطار البعیر کے نمونے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس صنعت میں شاعر مصرع اوّل کا اختتام جن الفاظ پر کرتا ہے وہی الفاظ دوسرے مصرع کے شروع میں لاتا ہے۔ لفظی سطح پر یہ بات جتنی سہل معلوم ہوتی ہے معنوی تسلسل میں یہ اتنی ہی مشکل ثابت بھی ہوتی ہے۔

؎ میرا مقدر، نُور کی چادر
نُور کی چادر، چاند کا پیکر

؎ چاند کا پیکر، خیر سراسر
خیر سراسر، حسن کا مصدر

؎ حسن کا مصدر، عشق کا محور
عشق کا محور، عرش برابر

؎ عرش برابر، نجم اور خاور
نجم اور خاور، حرفِ مکرّر ۶۶

سید عرفانی کی غزل میں فنی طور پر متذکرہ بالا صنائع کے علاوہ بھی صنعتِ ملمع، رعایتِ لفظی، فوق النقاط، تحت النقاط اور تنسیق الصفات کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جس غزل کی مجموعی فضا خوب صورت اور خوش آہنگ ہو گئی جس سے قاری کے ذوق و شوق کو جہاں تقویت ملتی ہے وہاں موسیقیت ذہن و وجدان کو بھی آسودگی فراہم کرنے کا باعث بنتی ہے۔

سید محمد وجیہہ السیما عرفانی نے کلاسیکل شعرا کے انھی موضوعات کو منفرد انداز میں بیان کر کے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ جہاں تک علمی و ادبی حلقوں میں ان کے گم نام ہونے کا تعلق ہے اس کی بنیادی وجہ اُن کا علمی و ادبی ماحول اور تربیت قرار پاتی ہے۔ انھوں نے صلہ و ستائش سے بیگانہ ہو کر فن و ادب کی خدمت کی ہے۔ اُن کی جس غزل (غنچہ شوق لگا ہے کھلنے) کا چرچا ہے وہ بھی ان کے دفتری رفیقِ کار ریڈیو پاکستان لاہور کے پروڈیوسر رضی ترمذی کی مرہون منت ہے۔ انھوں نے سید محمد وجیہہ السیما عرفانی سے زور دے کر غزل لکھوائی جسے پھر مختلف اوقات میں کئی گلوکاروں جیسے نُور جہاں، رجب علی اور مہدی حسن سے گوا کر ادب کے شائقین کی سماعتوں کی نذر کیا اور مقبولیت صرف مہدی حسن کی گائی ہوئی غزل کو نصیب ہوئی۔ ان کی دوسری غزلوں میں بھی وہی دل کشی و دل نوازی کے عناصر موجود ہیں جو محولہ غزل کا حصہ ہیں۔ اُن کی غزل میں سہل ممتنع کے ساتھ تغزل اور دیگر عناصر سے بھرپور کلام موجود ہے جو اُن کی غزل کے امکانات کو

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

وسعت عطا کرتا ہے۔ اس لیے اُمید کی جا سکتی ہے اُن کی غزل کے مزید امکانات دریافت کرنے سے اُن کے اور نئے چونکا دینے والے پہلو سامنے لائے جا سکتے ہیں جو اُردو غزل کی تابندگی اور شعری سرمایے کی وسعت کا باعث ہوں گے۔

**حوالہ جات:**


۱۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، اُردو غزل کا تکنیکی اور عروضی سفر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص ۳۲۹۔ ۳۳۰
۲۔ فخر الحق نوری، ڈاکٹر، ظفر الحق چشتی، شعور ادب، لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۶
۳۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، لاہور: مکتبہ عرفانیہ اُردو بازار، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص ۴۷
۴۔ ایضاً، ص ۲۶
۵۔ ایضاً، ص ۲۸
۶۔ ایضاً، ص ۶۲
۷۔ پیئر روردی، ''شاعری پر متفرق خیالات''، مقالہ مشمولہ مغربی شعریات، مرتبہ: محمد ہادی حسین، لاہور: مجلس ترقی اُردو، ۲۰۱۰ء، ص ۳۴۲
۸۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۱۵۳
۹۔ ایضاً، ص ۱۵۸
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۹۱
۱۱۔ ایضاً، ص ۷۷
۱۲۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص ۷۲
۱۳۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۴۱
۱۴۔ ایضاً، ص ۴۵
۱۵۔ ایضاً، ص ۹
۱۶۔ ایضاً، ص ۹۲
۱۷۔ ایضاً، ص ۹
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۶
۱۹۔ ایضاً، ص ۵۱
۲۰۔ ایضاً، ص ۵۶
۲۱۔ ایضاً، ص ۲۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۵۵
۲۳۔ ایضاً، ص ۷۵
۲۴۔ ایضاً، ص ۹۳
۲۵۔ طارق زیدی، حسین، ڈاکٹر، حرفِ جمال میں نازکا عنصر، مشمولہ ماہنامہ سیما، لاہور، شمارہ جون ۱۹۹۲ء، ص ۶۶
۲۶۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۶۸
۲۷۔ ایضاً، ص ۸۸
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۶۰
۲۹۔ ایضاً، ص ۳۷
۳۰۔ ایضاً، ص ۵۶
۳۱۔ ایضاً، ص ۷۰
۳۲۔ ایضاً، ص ۸۵
۳۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵
۳۴۔ ایضاً، ص ۱۵۶
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۸۲
۳۶۔ ایضاً، ص ۱۸۴
۳۷۔ ایضاً، ص ۲۵

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۷

۳۹۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۴۰۔ ایضاً، ص ۳۵

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۶

۴۲۔ ایضاً، ص ۲۳

۴۳۔ ایضاً، ص ۳۲

۴۴۔ ایضاً، ص ۸۷

۴۵۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: ادارہ فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۸ء، ص ۶۷۔۶۸

۴۶۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۷

۴۷۔ ایضاً، ص ۹

۴۸۔ ایضاً، ص ۹۶

۴۹۔ ایضاً، ص ۴۷

۵۰۔ ریاض مجید، ڈاکٹر، پروفیسر، سید محمد وجیہ السیما عرفانی کی غزل گوئی، فیصل آباد: روزنامہ فیصل آباد رپورٹ، ۳۰ جولائی ۲۰۰۶ء

۵۱۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۶ء، ص ۱۱۵

۵۲۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۳۷

۵۳۔ ایضاً، ص ۴۷

۵۴۔ ایضاً، ص ۷۵

۵۵۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، تفہیم و تحسین شعر، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۹۲

۵۶۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۶۳

۵۷۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۱۲

۵۹۔ ہارون الرشید، ڈاکٹر، تبسم ادبی اصطلاحات، جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۸ء، ص ۶۲

۶۰۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۲۸

۶۱۔ ایضاً، ص ۴۶

۶۲۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر، سلیم الرحمن، محمد، منتخب ادبی اصطلاحات، لاہور: جی۔ سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۵

۶۳۔ وجیہ السیما عرفانی، سید، محمد، حرفِ جمال، ص ۷۷

۶۴۔ ایضاً، ص ۷۴

۶۵۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۶۶۔ ایضاً، ص ۲۹